اسلام کے نظامِ حکمرانی میں قیادت کا مقام

از جناب | سعد گیلانی صاحب

اسلامی ریاست اور اس میں نافذ نظامِ حکمرانی کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول اور فلاحِ انسانیت ہے اور اس نظم کو چلانے والے لوگوں کا حقیقی فرض اس مقصد کے حصول کی طرف پورے معاشرے کی رہنمائی ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی عائد کردہ حدود کو نافذ کریں، نیکیوں کو فروغ دیں اور تمام چھوٹی بڑی خرابیوں اور برائیوں سے معاشرے کو پاک کریں۔

قائدین کے فرائض | اسلامی نظامِ حکمرانی کی قیادت کرنے والوں کے لیے قرآن نے واضح الفاظ میں ان کے فرائض متعین کیے ہیں۔

الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَوٰةَ وَآتَوُا الزَّكَوٰةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ (الحج۔ ۴۱)

یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار دیں تو یہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، نیکی کا حکم دیں گے اور بدی سے روکیں گے۔

ظاہر ہے کہ نظامِ صلوٰۃ کا قیام ایک مخصوص نوعیت کے ماحول کا اہتمام اور معاشرے کے کردار کی تشکیل کا مطالبہ کرتا ہے۔ زکوٰۃ کی فراہمی اور اس کی تقسیم کے لیے بھی ایک مخصوص طرز کا معاشی نظام وجود میں آتا ہے جس میں مساکین، مقروض، اور اہلِ حاجت لوگوں کا خون چوسنے کے بجائے ان کی دستگیری کے مکمل انتظام کا تصور موجود ہے نیکی کا حکم دینے کے لیے ایک ایسے نظامِ قانون کی تشکیل ضروری ہے جو صرف نیکیاں کرنے کی اجازت ہی نہ دے بلکہ نیکی کی پرورش کی ہمت افزائی اور تحفظ وارتقا کے لیے پورا ماحول تیار کرے تاکہ پورا معاشرہ نیکی کا زرخیز کھیت بن جائے جس میں نیکی کرنا سب سے آسان کام ہو۔ اسی طرح بدی سے روکنے کا اہتمام کرنے سے مراد صرف مجرموں کو کیفرِ کردار تک پہنچانے اور اس کے لیے سزا و تادیب کا انتظام ہی نہیں ہے (اس لیے کہ اسلام کا مزاج سزا و تادیب کو کم سے کم حرکت میں لانا چاہتا

ہے، بلکہ اسلام پورے معاشرے کی ظاہری اور داخلی فضا اس طرح کی بنانا چاہتا ہے جس میں بدی کی پرورش کے تمام راستے بند ہو جائیں اور معاشرے کا پورا ماحول بدی کے راستے میں سنگِ گراں بن جائے۔ یہاں تک کہ بدی کے خیالات کے نشوونما تک کے تمام راستے مسدود ہو جائیں اور معاشرے میں صالحیت اور پاکیزگی تبدریج اس طرح چھا جائے کہ نیتوں کا فتور تک اصلاح پذیر ہو جاتے جو بدی کی طرف انسان کی پہلی منزل ہے۔

اسلامی نظریاتی مملکت کی چند صفات | اسلام کے تصور پر قائم مملکت ایک نظریاتی اخلاقی نظام کی حامل مملکت ہوتی ہے۔ اس میں حکومت اور حکمرانی مقصود بالذات نہیں ہوتی بلکہ مملکت کا مقصدِ وجود ان اصولوں کی علمبرداری ہوتا ہے جن اصولوں کا یہ نظام حامل ہوتا ہے۔ اسی لیے یہ ایک صفاتی نظام ہے۔ ان صفات میں سے چند ایک کا تذکرہ درج ذیل ہے۔

۱- اس نظام میں حاکمیتِ اعلیٰ قوم یا چند افرادِ قوم کی نہیں بلکہ خود اللہ رب العٰلمین کی تسلیم کی جاتی ہے۔ قوم اور اس کے قائدین حاکمیت کی بجائے خلافت کا مقام قبول کر کے اپنے فرائضِ بندگی سرانجام دیتے ہیں۔

۲- یہ نظام مشاورت کے اصول پر چلایا جاتا ہے۔ حکومت کا بننا اور بدلنا عوام کی رائے پر موقوف ہوتا ہے، وہ عوام جو خود بھی خدا و رسولؐ کے احکام کے تابع اور پابند ہوتے ہیں۔

۳- یہ ایک نظریاتی نظام ہے جو اس نظریے پر ایمان رکھنے والوں کی معرفت ہی چلایا جا سکتا ہے۔

۴- یہ رنگ و نسل اور زبان و علاقہ کی عصبیتوں سے بالاتر نظام ہے جس میں اسلامی عصبیت کے سوا دوسری کسی عصبیت کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔

۵- اس نظام میں سیاست اور اس کے تمام تقاضوں کو اخلاق، انصاف، شرافت اور دیانت و امانت کے تابع رکھا جاتا ہے اور اس کی روح خدا ترسی ہوتی ہے۔

۶- یہ نیکیوں کو فروغ دینے اور برائیوں کا استیصال کرنے کے لیے قائم کیا جاتا ہے۔

۷- یہاں مساوات اور اخوت کا عملی اہتمام کیا جاتا ہے۔

۸- اس نظام میں فرد کو پوری آزادی ہوتی ہے لیکن خدا اور رسول کے بالاتر قانون کے ماتحت، اور حکومت اور اس کے قائدین کو پورے اختیارات ہوتے ہیں لیکن خدا کے بالاتر قانون اور مشاورت کی پابندی

کے ساتھ۔

۹۔ لوگوں کے درمیان عدل کا قیام، مسلمانوں کے اندر مساوات کا فروغ، ذمہ دار جمہوری اداروں اور عوام کے سامنے جواب دہی کا اہتمام، انتظام مملکت میں عوام کے نمائندوں کی آرا سے استفادہ، نیکیوں کا فروغ، برائیوں کا استیصال، اقتدار کی ہوس اور کشمکش سے پاک وصاف ماحول اس کی نمایاں خصوصیات ہیں:۔

قائدین کی صفات ظاہر ہے کہ ایسے نظریاتی نظم مملکت میں اس کے چلانے والوں کے لیے بھی کچھ مخصوص صفات سے متصف ہونا ضروری ہوتا ہے۔ اس کے بغیر یہ نظام نہیں چل سکتا اور چل پڑے تو اپنے ارتقائی مدارج طے نہیں کر سکتا۔ ان صفات میں سے بھی بعض کا تذکرہ ضروری ہے۔

۱۔ اسلامی نظام مملکت چلانے والوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان اصولوں کو دل وجان سے مانتے اور ان پر ایمان رکھتے ہوں جن اصولوں پر یہ نظام قائم ہے۔ ان اصولوں کے منکر یا ان سے منحرف لوگ اس نظام کو نہیں چلا سکتے۔ چلائیں تو ان کے ذریعے اسلامی نظام مملکت برپا نہیں ہو سکتا۔

۲۔ قیادت پر فائز لوگ خدا ترس، نیک اور ایماندار ہوں۔ ظالم، خدا سے غافل، خواہشات و اغراض کے بندے اور بے عمل نہ ہوں۔

۳۔ وہ معاملہ فہم، دانا، صاحب علم اور ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں سے متصف اور اپنے منصب کے لیے ضروری اہلیتوں کے مالک ہوں۔

۴۔ ان کی امانت و دیانت مسلّم ہو، منصبی ذمہ داریوں کو سمجھتے ہوں، ان کا بوجھ اٹھانے کا احساس رکھتے ہوں اور قابل اعتماد کردار کے لوگ ہوں۔

۵۔ ان میں مناصب کے لیے امیدواری اور طلب نہ پائی جاتی ہو۔

طلب منصب کی حوصلہ شکنی اسلامی نظام مملکت میں قیادت اور مناصب کے لیے طلب کی سخت حوصلہ شکنی کی گئی ہے اس لیے کہ اسی سے وہ کشمکش پیدا ہوتی ہے جو کسی نظم کو تباہی سے دوچار کر دیتی ہے اور یہی طلب ادائے فرض کے احساس کو کند اور طلب منفعت کے ذوق کو تیز تر کر دیتی ہے جبکہ اسلام کے نظام سیاست و حکمرانی میں عہدہ و منصب ذمہ داری کا بھاری بوجھ، نازک ترین اصولوں کے نفاذ کا معاملہ، اور تلوار سے تیز اور بال سے باریک احساس کے ساتھ ادائیگی فرض کا مقام ہے۔ اسی

لیے فرمایا گیا۔

"امام ایک راعی ہے، اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں باز پرس ہوگی" (حدیث)

پھر اسی حدیث کی تفصیل میں اس راعی اور رعیت کے تصور کو پھیلا کر ذمہ داری کے ہر ہر درجے پر منطبق کیا گیا ہے۔

مزید فرمایا گیا:

"جسے اللہ تعالیٰ کسی رعیت کا راعی بنائے اور وہ اپنے فرض کی ادائیگی میں خیانت کا ارتکاب کر کے مرے تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کر دے گا۔"

"اللہ کے حضور سب سے زیادہ قابلِ نفرت اور سب سے زیادہ دور جگہ پانے والا شخص ظالم امام ہوگا۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مِقدام بن مَعدِی کَرِب کے کندھے پر ہاتھ مار کر فرمایا:

"اے قدیم۔ اگر کہیں کے امیر یا منشی یا چوہدری بنے بغیر مر جاؤ تو سمجھو کہ تم نے فلاح حاصل کر لی۔"

اپنے ایک دوسرے صحابی سے فرمایا:

"اے عبدالرحمٰن کبھی امارت کی طلب نہ کرو۔ اگر تمہیں مانگنے سے ملے تو نفس کے پھندوں میں پھنس جاؤ گے۔ اور اگر بے طلب ملے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہاری امداد ہوگی۔"

حضورؐ نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے عہدے کی درخواست کے جواب میں فرمایا:

"ابوذر! یہ ایک بھاری امانت ہے۔ اور تم ایک کمزور آدمی ہو۔ قیامت کے دن یہ امانت ندامت اور رسوائی کا سبب ہوگی مگر اس شخص کے لیے نہیں جو اس کے حق کے ساتھ اس کو اٹھائے اور اس سلسلہ میں اس پر جو ذمہ داریاں عائد ہوں ان کو ادا کرے۔"

منصبِ عدل کے بارے میں حضرت ابوہریرہؓ سے فرمایا:۔

"جو شخص لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے لیے جج بنایا گیا وہ بغیر چھری کے ذبح کر دیا گیا۔"

حضرت ابن مسعودؓ نے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو شخص لوگوں کے درمیان فیصلے کرتا ہے وہ قیامت کے دن روکا جائے گا۔ ایک فرشتہ

اس کی پشت بسر کو پکڑے ہوئے اس کو جہنم کے کنارے پر روک دے گا۔ پھر اس کے سر کو اللہ کی طرف اٹھائے گا۔ اگر وہ حکم دے گا کہ اس کو پھینک دے تو وہ اس کو ایک کھڈ میں پھینک دے گا اور وہ چالیس سال کی مسافت کی گہرائی میں گر جائے گا۔"

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا:

"حاکموں کے لیے ہلاکی ہے۔ چوہدریوں کے لیے ہلاکی ہے۔ متولیوں کے لیے ہلاکی ہے قیامت کے دن بہت سے لوگ ہونگے جو تمنا کریں گے کہ کاش ان کی چوٹیاں ثریا سے بندھی ہوئی ہوتیں اور آسمان و زمین کے درمیان لٹکے ہوئے ہوتے لیکن کسی ذمہ داری کے عہدے پر مقرر نہ کیے گئے ہوتے۔"

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی کہ حضورؐ نے فرمایا:

"جو شخص دس یا دس سے زیادہ افراد کے معاملات کا ذمہ دار ہے وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حضور اس طرح آئے گا کہ اس کے ہاتھ اس کی گردن کے ساتھ بندھے ہوئے ہونگے پھر یا تو اس کی نیکی اس کو آزادی دلائے گی یا اس کے گناہ اس کو ہلاک کریں گے۔ اس امارت کا آغاز ملامت، اس کا وسط ندامت اور اس کا آخر قیامت کے دن رسوائی ہے۔"

مزید تنبیہ کی گئی کہ:

"ایک زمانہ آئے گا کہ تم لوگ امارت و سرداری کی طمع کرو گے حالانکہ یہ قیامت کے دن ندامت کا سبب ہوگی۔ یہ کیا ہی اچھی دودھ پلانے والی اور کیا ہی بری دودھ چھڑانے والی ہے۔" (بخاری)

یہ وعیدیں مناصب کی بھاری ذمہ داری کا شدید محکم اور ہر دم زندہ و تازہ احساس رکھنے کے لیے اسلامی نظامِ حکومت کے کارندوں کو دی گئیں تاکہ عہدہ، جسے دنیا بھر میں منفعت اور مفاد حاصل کرنے کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے اسلامی نظام میں بھی اسی مقصد کے لیے استعمال نہ ہونے لگے ظاہر ہے کہ جو شخص ان وعیدوں کی موجودگی میں بھی عہدہ طلب کرتا ہے، یا تو اسے آخرت کا ڈر نہیں ہے۔ یا منصب کی ذمہ داری کا پورا پورا شعور نہیں ہے، یا پھر اس کی نیت میں فتور ہے۔ اسی لیے خود عہدے کی طلب کو ہی اس عہدے کے لیے نااہلیت کی دلیل قرار دے دیا گیا ہے۔

دو آدمی حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے لیے حکومت کے مناصب طلب کیے۔ آپ نے جواب میں فرمایا۔

"ہمارے نزدیک تم میں سب سے بڑا خائن وہ ہے جو کوئی عہدہ طلب کرے۔"

چنانچہ اس کے بعد حضورؐ نے اپنی زندگی میں انہیں کوئی عہدہ و منصب حوالے نہیں کیا۔

اسلامی قیادت کے احساسِ ذمہ داری کی چند جھلکیاں ظاہر ہے کہ اسلامی مملکت کی نظریاتی قیادت کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے ساتھ جب ایسی تنبیہات اور وعیدات بھی موجود ہوں تو کون شخص آسانی سے آگے بڑھنے کی جسارت کر سکتا ہے۔ چنانچہ دورِ سعادت میں جس کسی پر یہ ذمہ داری پڑی اس پر خدا اور خلق کے سامنے جوابدہی کا احساس اور خوفِ خدا کا غلبہ کچھ ایسا حاوی رہا کہ اس کی رات کی نیندیں اور دن کا آرام حرام ہو کر رہ گیا۔ ایسے لوگ ملت کی فلاح و بہبود کے کاموں میں کھپ کر ہی رہ گئے۔ ان کے اہلِ خانہ، ان کے خاندان والے۔ ان کے اپنے احباب و عزیز و اقربا سبھی ان کی ذاتی اور شخصی حیثیت سے محروم ہو گئے۔ ان کا وجود ملت کا اجتماعی سرمایہ بن کر رہ گیا۔ اور وہ فلاحِ انسانیت کے اس کام میں ایسے کھپے کہ پھر انہیں کسی دوسری چیز کا ہوش نہ رہا۔

جب پوری امتِ مسلمہ کی قیادت و رہنمائی کا بارِ خلافت حضرت ابوبکر صدیقؓ پر پڑا تو انہوں نے کھڑے ہو کر فرمایا:

"اگر میں اپنے فرائض خوش اسلوبی سے سرانجام دوں تو میری مدد کرنا۔ اور کجروی اختیار کروں تو مجھے سیدھا کر دینا۔ سچائی امانت ہے، جھوٹ خیانت ہے۔ تم میں جو کمزور ہے وہی میرے نزدیک طاقتور ہے تا آنکہ میں اس کا حق اسے پہنچا دوں۔ اور جو طاقتور ہے وہی میرے نزدیک کمزور ہے تا آنکہ میں اس سے حق وصول کر لوں۔ جب تک میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرتا رہوں تم لوگ میری اطاعت کرنا اور اگر اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کروں تو تم پر میری اطاعت کی ذمہ داری نہیں۔"

اپنی وفات کے وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جو وصیت حضرت عمرؓ فاروق کو خلافت کی ذمہ داری سونپنے کے بعد کی وہ یہ تھی:۔

"تم پر اللہ تعالیٰ کے کچھ حقوق رات میں ہیں جن کو وہ دن میں قبول نہیں کرے گا اور کچھ

حقوق دن میں ہیں جو وہ رات میں قبول نہیں فرمائے گا۔ وہ نفل قبول نہیں کرے گا جب تک تم فرض نہ ادا کر لوگے۔ اُن لوگوں کی میزان قیامت میں ہلکی ہوگی جنہوں نے دنیا میں باطل کی پیروی کی اور جس میزان میں باطل رکھا گیا اس کے لیے یہی زیبا ہے کہ وہ ہلکی ہو۔ میں اپنے پیچھے جو عظیم ذمہ داری چھوڑ کر جا رہا ہوں اس کو سامنے رکھ کر میں نے تمہیں خلیفہ بنایا ہے۔ خدا کی قسم میں کبھی غافل ہو کے نہیں سویا کہ مجھے خواب نظر آتے اور نہ میں نے ہوائی قلعے بنائے کہ میں بہکتا۔ جب تک تم خدا سے ڈرتے رہو گے یہ لوگ تم سے ڈرتے رہیں گے اور جب تک تم سیدھے رستے پر رہو گے یہ لوگ تمہارے لیے سیدھے رہیں گے۔"

چنانچہ خود حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس منصب کو جس احساس ذمہ داری سے نبھایا اس سے سیرت کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ ان کے دَور میں دَورِ نبوت کی جھلک غالب تھی۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں نصیحت کی:

"اگر آپ اپنے پیشرو کی جگہ حاصل کرنا چاہتے ہیں تو قمیص میں پیوند لگائیے۔ تہبند اونچی کیجیے۔ جُوتے اپنے ہاتھ سے گانٹھ لیجیے۔ جرابوں میں پیوند لگائیے۔ ارمان کم کیجیے اور بھوک سے کم کھائیے۔"

ان لوگوں کے سامنے حضورؐ کا یہ ارشاد موجود تھا کہ

"جس کو اُس کے عمل نے پیچھے رکھا اسے اس کا نسب آگے نہیں بڑھا سکے گا۔"

اسی لیے قرآن نے مسلمانوں میں بڑائی او تکریم کا معیار یہ مقرر کیا کہ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔ اور اسلامی نظام میں اس کا تصفیہ رائے عامہ کرے گی کہ کون اس معیار پر پورا اترتا ہے۔ چونکہ اسلام میں وراثت کی خلافت کا کوئی تصور نہیں ہے اور نہ ہی وراثتی خلافت کسی معیار کی پابندی کر سکتی ہے۔

حضرت عمرؓ نے خلیفہ ہونے کے بعد تقریباً وہی باتیں دُہرائیں جو حضرت ابوبکر صدیق نے اپنے تقرر کے وقت فرمائی تھیں۔ اور انہی باتوں کا اقرار کیا جن کا انہوں نے اقرار کیا تھا۔

پھر یہ بھی فرمایا:۔

"لوگو میں تم ہی میں کا ایک آدمی ہوں۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ اگر مجھے خلیفۂ رسول اللہ کی بات ٹھکرانا ناپسند نہ ہوتا تو میں ہرگز تمہارے معاملات کی ذمہ داری قبول نہ کرتا۔"

اس کے بعد انہوں نے اپنے ذمے عوام کے حقوق اور اپنی ذمہ داریوں کو گنوایا اور اپنا معیارِ کفالت بتایا:

"تم مجھ سے اپنے حقوق اور میری ذمہ داریوں کا مواخذہ کرتے رہنا میں نے اللہ کے مال کو یتیم کے مال کی حیثیت دے رکھی ہے۔ میرے لیے اس میں سے دو کپڑے لینا حلال ہے، ایک جاڑے کے لیے ایک گرمی کے لیے۔ میرے اوپر میرے گھر والوں کی خوراک وہ ہو گی جو قریش کے کسی متوسط گھرانے کی ہوتی ہے۔ اس کے بعد میں عام مسلمانوں کی طرح ایک مسلمان ہوں جو اُن کو ملے گا مجھے بھی ملے گا۔"

جب حضرت عثمانؓ خلیفہ مقرر ہوئے تو انہوں نے بھی اپنے پہلے ہی خطبے میں فرمایا:

"سنو، میں پیروی کرنے والا ہوں، نئی راہ نکالنے والا نہیں ہوں۔ جان لو کہ کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ کی پیروی کرنے کے بعد تین باتیں ہیں جن کی پابندی کا میں تم سے عہد کرتا ہوں ایک یہ کہ میری خلافت سے پہلے تم نے باہمی اتفاق سے جو قاعدے اور طریقے مقرر کیے تھے ان کی پیروی کروں گا۔ دوسرے یہ کہ جن معاملات میں پہلے کوئی قاعدہ مقرر نہیں ہوا ہے ان میں سب کے مشورے سے اہلِ خیر کا طریقہ مقرر کروں گا۔ تیسرے یہ کہ تم سے اپنے ہاتھ روکے رکھوں گا جب تک کہ تمہارے خلاف کوئی کارروائی کرنا قانون کی رُو سے واجب نہ ہو جائے۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی خلیفہ مقرر ہونے کے بعد جو خطبہ دیا اس کے الفاظ یہ ہیں:۔

"لوگو، میں تم میں سے ہی ایک آدمی ہوں۔ جو حقوق تمہارے ہیں وہی میرے لیے بھی ہیں۔ میں تمہیں تمہارے نبی کے طریقے پر چلاؤں گا اور مجھے جن باتوں کے نفاذ کا حکم دیا گیا ہے انہیں نافذ کروں گا۔"

خلیفۂ راشد پنجم جناب عمر بن عبدالعزیز جب خلیفہ ہوئے تو انہوں نے اپنے پہلے ہی خطبے میں فرمایا:۔

"لوگو، مجھے اس ذمہ داری کی آزمائش میں میری رائے کے بغیر بلا طلب اور بغیر مسلمانوں سے مشورہ کیے ہوئے مبتلا کر دیا گیا ہے۔ میری بیعت کا جو قلادہ تمہاری گردن میں پڑا ہے میں اُسے خود الگ کرتا ہوں اور تم خود کسی کا انتخاب کر لو۔"

جب لوگوں نے پکار کر کہا کہ ہم آپ کو ہی صاحبِ امر تجویز کرتے ہیں تو پھر انہوں نے کہا:

"لوگو، آگاہ رہو کہ جب خالق کی نافرمانی ہو رہی ہو تو مخلوق کی اطاعت نہیں کرنی چاہیے۔

جس نے خود اللہ کی اطاعت کی اس کی اطاعت کرنا واجب ہو گیا۔ مگر جس نے اللہ کی نافرمانی کی اس کی اطاعت نہیں کی جانی چاہیے۔ جب تک میں تمہارے معاملے میں اللہ کی اطاعت کرتا رہوں تم بھی میری اطاعت کرو۔ مگر جب مَیں اللہ کی نافرمانی کروں تو تم پر میری اطاعت واجب نہیں۔"

دَورِ حاضر کی اسلامی تحریک کے داعی سید ابوالاعلیٰ مودودی نے بھی تحریک کے قیام کے وقت منصبِ امارت کے بارے میں بڑے تاریخی الفاظ میں اسی نوعیت کے جذبات کا اظہار کیا تھا:

"میری غایتِ تمنا اگر کچھ ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ ایک صحیح اسلامی نظامِ جماعت موجود ہو اور میں اس میں شامل ہوں۔ اسلامی نظامِ جماعت کے ماتحت ایک چپراسی کی خدمت انجام دینا بھی میرے نزدیک اس سے زیادہ قابلِ فخر ہے کہ کسی غیر اسلامی نظم میں صدارت اور وزارتِ عظمیٰ کا منصب مجھے حاصل ہو۔"

اور جب جماعت نے منصبِ امارت کے لیے ان کا ہی انتخاب کر لیا تو انہوں نے فرمایا:

"مَیں آپ کے درمیان نہ سب سے زیادہ علم رکھنے والا تھا نہ سب سے زیادہ متقی اور نہ کسی اور خصوصیت میں مجھے فضیلت حاصل تھی۔ بہر حال آپ نے جب اعتماد کر کے اس کارِ عظیم کا بار میرے اوپر رکھ دیا ہے تو مَیں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اس اعتماد کو مایوسی میں تبدیل نہ ہونے دے۔ مَیں اپنے علم کی حد تک کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ کی پیروی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھوں گا۔ تاہم اگر مجھ سے کوئی لغزش ہو اور آپ میں سے کوئی محسوس کرے کہ میں راہِ راست سے ہٹ گیا ہوں تو مجھ پر بدگمانی نہ کرے کہ مَیں عمداً ایسا کر رہا ہوں، بلکہ حُسنِ ظن سے کام لے اور نصیحت سے مجھے سیدھا کرنے کی کوشش کرے۔ آپ کا مجھ پر یہ حق ہے کہ مَیں اپنے آرام و آسائش اور ذاتی فائدوں پر جماعت کے مفاد اور اس کے کام کی ذمہ داریوں کو ترجیح دوں، اور میرا آپ پر یہ حق ہے کہ جب تک میں راہِ راست پر چلوں آپ میرا ساتھ دیں۔"

اسلامی تصورِ قیادت کو سامنے رکھ کر جن لوگوں نے بھی مسلمانوں کی سربراہی کی ہے ان کے احساسات و تاثرات کا بھی عالم رہا ہے۔

اسلامی مملکت کے قائدین کے نام خلفائے راشدین کی چند ہدایات خلفائے راشدین، جو اسلامی قیادت کا رسول اکرمؐ کے بعد اعلیٰ ترین نمونہ ہیں، انہوں نے اپنے حکام کو وقتاً فوقتاً جو ہدایات دیں وہ مطلوبہ اسلامی قیادت کا اصلی

معیار ہیں۔ ان کی روشنی میں بھی ہم ذمہ داری کے ہر مقام پر اپنے فرائض سر انجام دینے والی مثالی اسلامی قیادت کے معیار کی جھلک دیکھ سکتے ہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک بار اپنے عمال کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"اے حکومت کے ذمہ داروں، سربراہ کی نرمی اور بُردباری سے زیادہ نفع بخش اور خدا کے نزدیک زیادہ پسندیدہ اور کوئی بُردباری نہیں ہے۔ اسی طرح سربراہ کی ناسمجھی اور جذباتیت اور بے سوچے سمجھے کام کرنے سے زیادہ نقصان دہ اور ناپسندیدہ کوئی دوسری نادانی نہیں ہے۔ ایک حاکم کی عیش مزاجی سے زیادہ اللہ کو کسی کی عیش مزاجی اور جہالت ناپسند نہیں ہے۔"

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک سپہ سالار کو روانہ کرتے ہوئے نصیحت فرمائی:۔

"اے یزید، تمہارے کچھ عزیز اور رشتہ دار ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ تم ان کو کچھ ذمہ داریاں دینے میں ترجیح دینے لگو۔ تمہارے لیے میرے نزدیک سب سے زیادہ اندیشے اور خوف کی بات یہی ہے۔"

حضرت عمر فاروق نے ایک خطبہ میں فرمایا:

"میں نے اپنے عمال اس لیے نہیں مقرر کیے ہیں کہ وہ تمہیں ماریں، پیٹیں، تمہاری آبروریزی کریں اور تمہارے مال ہڑپ کریں۔ میں نے تو ان کو اس لیے مقرر کیا ہے کہ وہ تم کو تمہارے پروردگار کی کتاب اور اس کے رسول کے طریقے کی تعلیم دیں۔"

ایک دوسرے موقع پر فرمایا:

"لوگ امیر کے حقوق اس وقت تک ادا کریں گے جب تک امیر اللہ کے حقوق ادا کریگا۔ جب امیر بے قید ہو جائے گا تو لوگ بھی بے قید ہو جائیں گے۔"

حضرت ابوموسیٰ اشعری کو ایک خط میں لکھا:

"خوش قسمت ہے وہ حاکم جس کی رعایا خوشحال ہو اور بدقسمت ہے وہ حاکم جس کی رعایا بدحال ہو۔ تم اپنے آپ کو کجروی سے بچاؤ تاکہ تمہارے ماتحت کجروی نہ اختیار کریں۔"

اسلامی قیادت کے چند عملی نمونے ابن خلدون نے کہا ہے کہ:

"جو حکومت عوام کے دلوں پر حکومت کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی اسے باقی رہنے کا کوئی حق نہیں ہے۔"

حقیقت یہ ہے کہ اسلامی تاریخ ایسی نادر مثالوں سے بھری پڑی ہے کہ جو مسلمان حکام اور قائدین کے اعلیٰ اخلاقی، اسلامی اور انسانی طرزِ عمل کے بیش بہا نمونے ہیں۔ مساوات، اخوت، انسانی ہمدردی، عدل و انصاف، خدا ترسی اور احساس ذمہ داری، عوام کے سامنے جوابدہی اور خدا کے حضور پیشی کے خوف کی مثالیں بے شمار ہیں۔ ایسے نمونے دوسری اقوام کے مثالی حکمرانوں میں بھی نہیں ملتے جو ہمارے نہایت پچھلی صف کے حکمرانوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ اس معاملے میں اسلامی تاریخ کے پاس غیر محدود سرمایہ ہے جس کا احاطہ ممکن نہیں ہے۔ یہاں صرف نمونے کے طور پر چند ایک مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

ابو مسعود روایت کرتے ہیں:

"میں نے اپنے ایک غلام کو کوڑا مارا۔ پیچھے سے آواز آئی "اے ابو مسعود! تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ خدا تعالیٰ تجھ پر اس سے زیادہ قدرت رکھتا ہے جتنی تو اس غلام پر رکھتا ہے۔"

یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک آواز تھی۔

"فتح مکہ کے بعد قریش کے سردار مقہور و مفتوح حضورؐ کے سامنے کھڑے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے حضورؐ کے بہترین اخلاق کے مقابلے میں بدترین طرزِ عمل کا مظاہرہ کیا تھا۔ پتھر مارے تھے۔ راہ میں کانٹے ڈالے تھے۔ گھر سے نکالا تھا۔ تعاقب کر کے حملے کیے تھے۔ جان لینے کے سارے جتن کیے تھے۔ حضور پر مصائب کا سارا ریکارڈ ان لوگوں کا تیار کردہ تھا۔ ان میں وہ بھی تھے جنہوں نے حضورؐ پر قاتلانہ حملے کیے تھے۔ حضورؐ کے محبوب چچا کا کلیجہ چبایا تھا۔

"اب بتاؤ تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟" سوال ہوا

"ہم اپنے نیک بھائی سے نیک سلوک کی توقع رکھتے ہیں۔" جھکی ہوئی گردنوں نے جواب دیا۔

"میں تم سے وہی سلوک کروں گا جو یوسف نے اپنے بھائیوں سے کیا تھا۔ لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ۔ جاؤ تم سب آزاد ہو۔" حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔

— حضورؐ نے اپنے صحابہ کو جمع کر کے فرمایا کہ اگر مجھ سے کسی کے ساتھ زیادتی ہوئی ہو تو میں اس کا بدلا دینے کے لیے تیار ہوں۔ سب خاموش رہے۔ ایک صاحب بولے آپ نے صف بندی کے موقع پر ایک

بار اپنی چھڑی سے مجھے پیٹ میں ٹھوکا دیا تھا جس سے مجھے تکلیف ہوئی۔ حضورؐ نے انہیں چھڑی دیتے ہوئے فرمایا کہ تم اپنا بدلہ لے سکتے ہو۔ انہوں نے کہا جب آپ نے مجھے ٹھوکا دیا تھا اُس وقت میں کرتا پہنے ہوئے نہیں تھا۔ حضور اکرمؐ نے یہ سن کر اپنا کُرتا اُوپر اٹھا دیا۔

— حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے زمانے میں حضرت عمرؓ ایک اندھی عورت کی خبر گیری کیا کرتے تھے۔ پھر انہوں نے دیکھا کہ کوئی دوسرا شخص خود ان سے بھی پہلے آکر اس عورت کا کام کر جاتا ہے۔ ایک دن وہ چھپ کر بیٹھ رہے۔ انہوں نے واپس جاتے ہوئے حضرت ابوبکر کو دیکھ لیا تو پکار اٹھے "میرا اندازہ صحیح نکلا یہ تو آپ ہی ہیں۔ میری جان کی قسم آپ ہی ہیں"۔

— حضرت ابوبکرؓ خلیفہ ہوئے تو ایک یتیم لڑکی نے کہا "افسوس اب ہماری بکریاں کون چرائے گا۔ آپ نے فرمایا "خدا کی قسم، خلافت مجھے خدمتِ خلق سے باز نہ رکھ سکے گی"۔

— آپ نے وفات کے وقت فرمایا "مسلمانوں کے مال میں سے میرے پاس ایک حبشی غلام، ایک اونٹ اور ایک پُرانی چادر ہے۔ میرے بعد یہ چیزیں عمرؓ کے پاس واپس بھجوا دینا۔ جب وہ چیزیں حضرت عمرؓ کے پاس پہنچیں تو حضرت عمرؓ نے رو کر فرمایا، "ابوبکر پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے انہوں نے اپنے بعد والے کے لیے کام بہت مشکل بنا دیا ہے"۔

— حضرت عمرؓ کے دَور میں قحط پڑا تو انہوں نے دودھ گھی کا استعمال ترک کر دیا۔ زیادہ تر بُھوکے رہتے، یہاں تک کہ لوگ ان کی حالت کو دیکھ کر کہنے لگے کہ اگر قحط دُور نہ ہُوا تو حضرت عمرؓ کو رعایا کا غم ہلاک کر دے گا۔ اکثر کہتے رہتے "مجھے رعایا کے دکھ درد کا کیا اندازہ ہو گا اگر مجھ پر وہی کچھ نہ گزرے جو ان پر گزر رہی ہے"۔

— ایک شخص نے حضرت عمرؓ کو پینے کے لیے شہد پیش کیا۔ آپ نے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ میں قیامت کے روز اس کو اپنے حساب میں شامل کرانا نہیں چاہتا۔

— قحط کے دوران اپنے بچے کے ہاتھ میں خربوزہ دیکھا تو اس کے پیچھے بھاگے کہ امیرالمومنین کے فرزند تم خربوزے اڑا رہے ہو اور امتِ محمد تباہ ہو رہی ہے۔ اکثر رات کے آخری حصہ میں گریہ وزاری سے دعا کیا کرتے کہ "اے اللہ اس امت کی تباہی میرے ہاتھوں نہ ہو"۔

— حضرت عمرؓ نے جب بیت المقدس کا سفر کیا تو اونٹ کی سواری کے لیے اپنے غلام سے باری

مقرر کر لی اور جب بیت المقدس میں داخل ہوتے تو باری غلام کی تھی۔ وہ سواری پر تھا اور حضرت عمرؓ اونٹ کی نکیل تھامے آگے آگے چل رہے تھے۔

——— ایک عورت نے سرِ راہ روک کر کچھ کہنا چاہا۔ لوگوں نے اسے روکا تو حضرت نے فرمایا:
"اسے مت روکو، اگر یہ لوگ نہ کہیں گے تو ان میں خیر نہیں اور ہم نہ سنیں اور نہ مانیں تو ہم میں خیر نہیں"۔

——— بیت المال کا ایک اونٹ گم ہو گیا تو اسے ننگے پاؤں ڈھونڈتے پھرتے تھے۔ لوگوں نے روکنا چاہا تو فرمایا "یہ میری ذمہ داری ہے، قیامت کے دن اس کے بارے میں میری باز پرس ہو گی"۔

——— ایک مجلس میں ایک شخص نے بار بار کہا "اِتَّقِ اللّٰهَ یا عمرؓ"۔ حاضرین میں سے لوگوں نے کہا کہ اب بس بھی کرو۔ بہت ہو گیا۔ تو فرمایا کہ "نہیں اسے کہنے دو۔ اگر یہ لوگ کچھ نہ کہیں گے تو بے مصرف ہوں گے"۔

تقویٰ اور ذمہ داری کے اس اعلیٰ معیار کے باوجود جب فوت ہو رہے تھے تو کہہ رہے تھے:۔
"خدا کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ زمین میں جتنا سیم و زر ہے اگر وہ سارے کا سارا مجھے مل جائے تو میں ظاہر ہونے والے دن کے ہول سے بچنے کے لیے فدیہ میں دے دوں گا"۔

——— حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اکثر فرمایا کرتے تھے "جو شخص اپنی جوتی آپ گانٹھ لیتا ہے، غلام کی عیادت کرتا ہے، اپنے کپڑے خود دھو لیتا ہے اور ان میں پیوند لگا لیتا ہے، وہ غرور اور تکبر سے پاک ہو جاتا ہے"۔
اور یہ کہ "جس شخص کو سال بھر تک کوئی تکلیف اور رنج نہ پہنچے وہ جان لے کہ اس کا رب اس سے ناراض ہے"۔

——— ایک شخص نے حضرت علیؓ سے سوال کیا کہ اگر کسی شخص کو کسی مکان میں بند کر کے اس کے سارے دروازے بند کر دیئے جائیں تو اسے رزق کس طرح پہنچے گا؟ آپ نے جواب دیا کہ "جہاں سے اس کی اجل آئے گی"۔

——— حضرت علیؓ نے دو چادریں خریدیں تو اپنے غلام قنبر سے فرمایا کہ "ان دونوں میں سے اپنی پسند کی چادر تم لے لو"۔

——— حضرت علیؓ کی زرہ چوری ہوئی تو انہوں نے باقاعدہ قاضی شہر کے پاس مقدمہ دائر کیا لیکن جب امیر المومنین کی پیش کردہ شہادتیں قاضی نے قبول کرنے سے انکار کر دیا تو صبر کے ساتھ اپنے دعوے

سے دستبردار ہو گئے۔

——— حضرت عمر بن عبدالعزیز جب خلیفہ ہوئے تو سابق خلیفہ کے دیئے ہوئے تمام عطیات بیت المال میں یہ کہہ کر داخل کر دیئے کہ یہ مسلمانوں کا مال ہے۔ اپنی بیوی سے، جو سابق خلیفہ کی بیٹی تھی، صاف کہہ دیا کہ "یا مجھے انتخاب کر لو یا اس سامان کو جو تمہارے پاس ہے"۔

——— حضرت عمر بن عبدالعزیز سے ان کے ایک مشیر نے کہا کہ اے امیر المومنین آپ کے دن رات کے اوقات تو بالکل رعایا کے معاملات میں ہی صرف ہو کر رہ گئے ہیں، کچھ تو آرام کر لیا کیجیے۔ انہوں نے نہایت حسرت سے جواب دیا "فرصت کہاں۔ فرصت تو اب گئی۔ اب تو صرف خدا کے ہاں ہی فرصت نصیب ہو گی"۔

——— اکثر فرمایا کرتے "اگر میں سنت کو زندہ نہ کر سکوں یا شاہراہِ حق پہ نہ چل سکوں تو ایک منٹ زندہ رہنا بھی پسند نہ کروں گا"۔

——— وہ اپنے کسی قرابت دار کو کبھی عامل مقرر نہیں کرتے تھے۔ ان سے کہا کرتے "تم دیکھتے ہو کہ میرا فرش پرانا ہو چلا ہے، اگر میں یہ پسند نہیں کرتا کہ تم اسے بھی اپنے جوتوں سے میلا کرو تو میں تم کو اپنا دین کیسے حوالے کر دوں کہ اسے علاقوں میں گرد آلود کرتے پھرو"۔

——— حضرت عمر بن عبدالعزیز اکثر راتیں بے چینی میں گزارا کرتے۔ ایک رات بہت بے چینی اور اضطراب میں جاگتے اور روتے ہوئے گزاری۔ بیوی نے وجہ پوچھی تو فرمایا "میں اس قوم کے سیاہ و سفید کا مالک ہوں مجھے مسافر، قیدی، غریب اور مظلوم یاد آئے۔ میں نے خیال کیا ان کے بارے میں کل خدا کے ہاں سوال ہونے والا ہے اور حضور اکرمؐ ان کے وکیل بن کر مجھ سے محبت کریں گے مجھے ڈر ہے کہ پھر میرا کیا بنے گا جب میرا کوئی عذر کام نہ دے گا"۔

——— فرمایا کرتے "اللہ تعالیٰ خواص کی بدکاریوں کی پاداش میں عوام کو نہیں پکڑا کرتا۔ مگر جب برائیاں عام اور کھلم کھلا ہونے لگتی ہیں اور ان کے خلاف آواز نہیں اٹھتی تو سب سزا کے مستحق قرار پاتے ہیں"۔

اسلام کی تعلیمات کے مطابق تیار کردہ قیادت کے یہ چند نمونے پیش کیے گئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام دنیا کا واحد نظامِ زندگی ہے جس نے اپنے نظامِ مملکت میں قیادت کے لیے صالحیت، نیکی، خدا ترسی اور پاکیزہ کردار کی شرط لگائی ہے۔ یہ قیادت کے بارے میں ایک انوکھا اور انقلابی تصور ہے جو اسلام نے پیش کیا ہے اور اسلام کا یہ چیلنج دنیا کے سامنے آج بھی موجود ہے جس کا کوئی جواب دنیا کے

پاس نہیں ہے کہ اس نے انسانی فلاح و بہبود کے لیے قیادت کا جو نظریہ اور پھر اس کا جو عملی نمونہ پیش کیا ہے وہ بے مثال ہے اور آج پوری دنیا کو اسی تصورِ قیادت کی ضرورت ہے۔

لیکن دشواری یہ ہے کہ صالح تصورِ قیادت کا یہ نمونہ جب مقامِ قیادت سے ہٹ جائے اور ظالم و فاسق حکمران مسلمانوں پر جبر سے مسلط ہو جائیں تو ان سے نجات پانے کی اسلام کے نظامِ سیاست میں قابلِ عمل صورت کیا ہے؟ یہ ایک پیچیدہ مسئلہ ہے جس کی طرف ایک یورپین مستشرق خاتون نے بھی ۱۹۵۷ء میں لاہور کے کلوکیم میں اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا:-

"ہم نے یورپ میں بُرے حاکم سے نجات پانے کا راستہ جمہوریت اور باشعور رائے عامہ کی صورت میں نکال لیا ہے۔ اسلام بُرے حاکم سے نجات پانے کے لیے آج کے جدید دور میں کیا قابلِ عمل رہنمائی دیتا ہے اس کا جواب پوری اُمتِ مسلمہ کے ذمّے ہے۔"

ظاہر ہے کہ اس سوال کا مثبت جواب ایک اسلامی تحریک کی بھرپور جدوجہد ہی دے سکتی ہے۔

ایجنٹ حضرات متوجہ ہوں

۱۔ تفہیم القرآن کے ایجنٹ حضرات سے اپیل ہے کہ آرڈر دیتے وقت اپنا نام، پتہ اور بنک کی برانچ کا پتہ ضرور رکھیں۔

۲۔ مال بذریعہ ٹرک یا مال گاڑی منگوانا ہو تو اس کا حوالہ ضرور دیں۔ ورنہ آرڈر کی سپلائی میں دیر ہو جائے گی۔

۳۔ ادارہ زیادہ تر مال بذریعہ آزاد پاکستان گڈز ٹرانسپورٹ اور بٹی حبیب بنک لمیٹڈ، یا یونائیٹڈ بنک لمیٹڈ کی معرفت بھیجتا ہے۔ لہٰذا ایجنٹ حضرات مال ان کی معرفت منگوائیں گے تو بہت جلد ملے گا۔

ناظم

ادارۂ ترجمان القرآن

لاہور